بحریہ ٹاؤن

بحریہ ٹاؤن پاکستان کی ایک بڑی تعمیراتی اسکیم ہے۔ اسلام آباد اور لاہور کے بعد کراچی میں اس کے پروجیکٹس کا آغاز ہوا جس میں ہزاروں لوگوں نے بھاری منافع کی امید پر سرمایہ کاری کی۔ میں کچھ عرصہ قبل ایک عزیز دوست سے ملنے ان کے گھر بحریہ ٹاؤن گیا تو انھوں نے مجھے اس پورے علاقے کو تفصیل کے ساتھ دکھایا۔ دوران گفتگو انہوں نے بتایا کہ یہاں پہلے جو پلاٹ سستے مل رہے تھے وہ اب بہت مہنگے ہوتے چلے جارہے ہیں۔

ان کی بات سن کر مجھے ایک خیال آیا۔ وہ یہ کہ بحریہ ٹاؤن کے مالک ملک ریاض کے پاس کوئی عام آدمی چلا جائے تو وہ اسے فری میں ہرگز کوئی پلاٹ نہیں دیں گے۔ کوئی بھی یہ کام نہیں کرے گا۔ بلکہ ایک بڑا کاروباری آدمی کسی معمولی آدمی سے ملنے سے بھی انکار کردے گا۔ کجا یہ کہ اپنے کاروبار میں سے ایک پلاٹ اسے مفت میں دیدے۔ مگر اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ہستی وہ واحد ہستی ہے کہ کوئی بھی شخص منہ اٹھا کر ان کے پاس جاسکتا ہے۔ دن رات کسی بھی وقت جاسکتا ہے۔ وہ مفلس و قلاش ہونے کے باوجود بھی پورے اطمینان اور اعتماد کے ساتھ ان سے ان کی بیش قیمت جنت مفت میں مانگ سکتا ہے۔ اس یقین کے ساتھ کہ اسے یہ جنت مل جائے گی۔

اسے جا کر صرف یہ کہنا ہوگا کہ مالک سنا ہے آپ کی جنت میں پلاٹ مل رہے ہیں۔ میں نے اس جنت کو نہیں دیکھا لیکن یقین ہے کہ کہنے والے نے بالکل سچ کہا ہے۔ میرے پاس کوئی سرمایہ نہیں، صرف یہ یقین ہے کہ آپ جنت کے مالک ہیں اور میں جنت کے بغیر رہ نہیں سکتا۔ میں دل سے ہر تعصب اور غیر اللہ سے ہر امید ختم کر کے آپ کے پاس آ گیا ہوں۔ میری سن لیجیے۔

باخدا یہ یقین اتنی بڑی چیز ہے کہ اگلے لمحے انسان کے لیے جنت کا فیصلہ ہوجائے گا۔ جنت کی شرط اگر عمل صالح ہے تو اس کی توفیق بھی اس یقین و ایمان کے صلے میں دے دی جائے۔ یہی سخاوت اللہ تعالیٰ کو ملک السموات والارض بناتی ہے۔ مگر افسوس کے ملک ریاض کی بحریہ ٹاؤن میں سرکایہ کاری کرنے والے بہت ہیں۔ ملک السموات والارض سے مانگنے والے کم ہیں۔

دنیا کو مطلوب

اللہ کا مطلوب انسان کیا ہے؟ یہ انسان خدا کی محبت سے آخری درجہ میں سرشار ہوتا ہے۔ یہ اس کی حمد کے نغمے بکھیرتا اور اس کی عظمت کے ترانے پڑھتا ہے۔ اسے اگر میرے آقا داؤد علیہ السلام کے لحن سے حصہ نہ ملا تو کیا ہوا، وہ اپنے دل کی دھڑکن اور آنسوں کی برسات میں خدا کی حمد کے نغمے گاتا ہے۔ چھوٹی بڑی ہر نعمت اسے اپنے مالک کی عنایت پر اس کا شکر گزار اور اسے ہر لمحہ یاد رکھنے والا بناتی ہے۔

اللہ کا مطلوب انسان کیا ہے؟ یہ انسان اپنی شخصیت کی تعمیر کو زندگی کا نصب العین بناتا ہے۔ اسے میرے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فطری پاکیزگی کا کوئی حصہ چاہے نہ ملا ہو، مگر اس کا آئیڈل آپ ہی کی ہستی ہوتی ہے۔ وہ ان جیسا چاہے نہ بن سکے، مگر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ہمدرد، نرم خو، درگزر کرنے والے، محبت کرنے والا بننا چاہتا ہے۔ عدل، احسان، انفاق اس کی زندگی کے تین بنادی اصول ہوتے ہیں۔ حیا اس کا کردار اور پاکیزگی اس کی سیرت ہوتی ہے۔ ایمان اس کی زندگی، رحم اس کی شناخت اور ہمدردی اس کی سوچ ہوتی ہے۔ دین اس کی زبان کا چٹخارہ نہیں دل کا درد ہوتا ہے۔ یہی درد جب دعوت بن کر پھوٹتا ہے تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں۔

آہ! مگر آج کا مسلمان کیا ہے۔ صبر سے خالی، منفی سوچ سے عبارت، مایوسی کی تصویر اور بے عملی کا نمونہ۔ اس کی انگلی ہمیشہ دوسروں کی طرف اٹھی ہوئی، زبان شعلے اگلتی، ذہن میں نفرت کا لاوہ کھولتا، نگاہیں سازشوں کی متلاشی، سینہ کدورت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے سوا ہر شخص کو گمراہ سمجھتا، فتوے لگاتا اور دوسروں پر اپنے تصورات کو آخری سچائی سمجھ کر ٹھونستا ہے۔

آج دنیا کو اللہ کے مطلوب انسان کی ضرورت ہے جو سراپا درد، پیکر دعوت، اعلیٰ سیرت، علم، حلم اور معرفت کا پیکر ہوتا ہے۔ نہ کہ آج کے مسلمان کی جو زوال یافتہ مسلم قومیت کا ایک فرد ہے۔

بہت دیر نہ ہو جائے

یہ دو ہستیوں کا قصہ ہے۔ایک صاحب کمال ...... بے عیب، بے مثل، لازوال اور بے نظیر ہے۔ دوسرا غفلت کا شکار، تعصّبات کا قیدی، جذبات کا غلام اور خواہش کا اسیر ہے۔

ایک رب اعلیٰ ہے۔ ہر تعریف کا مستحق۔ ہر حمد کا سزاوار۔ جو بھولتا نہیں ......اس غلام کو بھی جو اسے بھول جائے۔ وہ اپنے بندوں کی آہ کو سنتا اور ان کی مشکلات دور کرتا ہے۔کس قدر اعلیٰ ہے وہ مالک جو اپنے غلام کی پکار پر لبیک کہہ کر ہر دشمن کے مقابلے میں اس کی سپر بن جاتا ہے۔

دوسرا بندہ اسفل ہے۔ بے ہنر، بے وسیلہ، بے ثمر، مگر اعتماد کا عالم یہ ہے کہ خالق دو جہاں کا انکار کرتا ہے۔ مانتا ہے تو شریک ٹھہراتا ہے۔کوئی اور نہ ملے تو نفس کی غلامی شروع کر دیتا ہے۔

ایک العزیز والرحیم ہے کہ جسم کو پالتا اور روح کو ہدایت کی غذا دیتا ہے۔فرشتوں کو بھیجتا، کتابوں کو اتارتا اور انبیا کو مبعوث کرتا کہ غلام کل اس کے حضور رسوا نہ ہوں۔

دوسرا وہ کم سواد ہے جو خدا کے دین کی نصرت کرنے کے بجائے اپنے تعصّبات کے لیے لڑتا ہے۔سچائی کا انکار کرتا ہے۔ ایمان کا منکر ہوتا ہے اور اخلاق کو پامال کرتا ہے۔ یہ الزام لگاتا، طعنے دیتا، جھوٹ پھیلاتا اور بہتان تراشتا ہے۔ساتھ میں دعویٰ ایمان بھی کرتا ہے۔

ان دو ہستیوں میں تیرا کیا مقام ہے؟ تو خدا بن نہیں سکتا۔ مجرم بن کر بچ نہیں سکتا۔بس تو بندہ بن جا۔نفس کی غلامی سے نکل۔تعصب کے جال کو کاٹ۔فرقہ کی زنجیر کھول۔نفرت کی قینچی کو چھوڑ۔عبدیت کا جام پی اور توبہ کر لے۔خدا کے غلاموں کے ساتھ حمد کر۔ وہ نہ ملیں تو سورج کے ساتھ، چاند کے ساتھ، کائنات کے ساتھ مل کر خدا کی حمد کر...... کہ بہت جلد مجرموں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔حمد کرنے والوں کو حیات ابدی کے چشمہ سے سیراب کر دیا جائے گا۔

اٹھ اب دیر نہ کر۔گندگی کو چھوڑ......زندگی کو لے۔کہیں بہت دیر نہ ہو جائے۔

عورت، مرد اور قرآن

قرآن کریم کی سورہ نور میں اللہ تعالیٰ نے مرد و زن کے حوالے سے جو احکام دیے ہیں وہ بلاشبہ حکمت و بصیرت کا شاہکار ہیں۔ بلاشبہ یہ احکام ایک علیم و حکیم ہستی ہی دے سکتی ہے۔ ان احکام کا پہلا کمال یہ ہے کہ زنا کو روکنے کے لیے مذہب کی تاریخ میں پہلی دفعہ مردوں کو کچھ احکام دیے گئے ہیں۔ قرآن سے پہلے اور اس کے بعد بھی انسان جب مذہب کو بیان کرتے ہیں تو بدکاری کا اصل سبب عورت کو ٹھہراتے اور اسی پر پابندیاں لگاتے رہے ہیں۔ مگر قرآن مجید نے مرد و زن دونوں کو الگ الگ مخاطب کر کے ایک ہی حکم دیا، لیکن ابتدا مردوں سے کی گئی ہے کہ وہ اپنی نظر کی حفاظت کریں اور حفظ فروج سے کام لیں۔ پھر خاص طور پر مردوں کا ایک بات کہی جو عورتوں کو نہیں کہی۔ وہ یہ کہ ان کے لیے یہ طریقہ پاکیزہ تر ہے اور اللہ ان کے ہر کام سے واقف ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف مردوں کے لیے صاف پیغام ہے کہ ہم جانتے کہ تم ہی حدود توڑتے ہو اور تم ہی زنا کی ناپاکی پھیلاتے ہو۔

پھر یہ اللہ تعالیٰ ہی ہیں جو جانتے ہیں کہ خواتین کس پہلو سے زنا پھیلانے میں معاون بنتی ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد خواتین کو ایک اضافی حکم دیا گیا۔ مگر اس حکم کا اصل کمال یہ ہے کہ یہ حکم بظاہر عورتوں پر کچھ پابندیاں لگاتا ہے اور ان کے جذبہ نمائش کو کچھ حدود میں لاتا ہے، مگر ساتھ ہی مردوں کی نفسیات کو اس طرح ایڈریس کرتا ہے کہ جب تک کوئی شخص خود شیطان نہ ہو، اس کے ذہن کا خناس بے قابو نہیں ہوسکتا۔

مردوں کی یہ نفسیات ہوتی ہے کہ وہ عورت کو ماں بہن بیٹی اور ان جیسے کچھ اور رشتوں میں تو ایک پاکیزہ مقام دینے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، مگر رشتوں کے اس دائرے سے باہر عورت ان کے لیے انسان کم اور صنفِ مخالف زیادہ ہوتی ہے۔ یہ صنف مخالف اپنی نسوانی کشش کو

نمایاں کردے تو معاشرے کو زنا کی آلودگی سے بچانا بہت مشکل ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مسئلے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ اللہ تعالیٰ نے چن کر ان چیزوں کا انتخاب کیا جو نہ صرف عورتوں کا خاصہ ہیں بلکہ وہی مردوں کے لیے انہیں باعث کشش بھی بناتی ہیں۔ فرمایا کہ سینے کے ابھار ہوں یا زیب و زینت اور سنگھار، دونوں کو چھپا کر رکھو۔ حتیٰ کہ تمھارے پاؤں کی پازیب بھی پکار کر یہ اعلان کرنا چاہے کہ میں عورت ہوں تو اسے دبا دو تاکہ مرد کا ذہن انسانیت کو چھوڑ کر تمھاری نسوانیت کی طرف متوجہ نہ ہو۔

ان احکام پر عمل کرنے کے بعد جو معاشرت وجود میں آئے گی اس میں مرد و زن دونوں اپنی نگاہوں کو بے باک چھوڑنے کے بجائے ان پر پہرے بٹھانے والے اور باحیا لباس زیب تن کرنے والے ہوں گے۔ اس معاشرے کے مرد اپنی پاکیزگی کے بارے میں حساس اور اپنے رب کی نگرانی کے احساس میں خواتین کا سامنا کریں گے۔ جبکہ خواتین اپنی نسوانیت اور زینت کی نمائش کر کے اپنی نسوانی کشش کو نمایاں کرنے کے بجائے بحیثیت انسان خود کو متعارف کرانے والی ہوں گی۔

بلاشبہ یہ احکام اعتدال اور توازن کا شاہکار ہیں۔ یہ احکام ہر طرح کے حالات، ہر قوم، ہر ماحول، ہر موسم، ہر جغرافیے میں قابل عمل ہیں۔ یہ ازل سے ابد تک پھیلے اس انسانی مسئلے کو بہت آسانی سے حل کر دیتے ہیں۔ ان میں کوئی افراط نہیں کوئی تفریط نہیں۔ ان سے معمولات زندگی متاثر نہیں ہوتے، خاندانی تعلقات ختم نہیں ہوتے، سماج میں دیواریں کھڑی نہیں ہوتیں، مگر یہ معاشرے سے بدکاری کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ ان احکام کے بعد کوئی مرد اور عورت قیامت کے دن اللہ کے حضور یہ نہیں کہہ سکتا کہ پروردگار میں جس ماحول میں جیتا تھا، جس معاشرت میں رہتا تھا، جس موسم کو جھیلتا تھا، جس دور میں کھڑا تھا وہاں آپ کی بات قابل عمل ہی نہیں تھی۔ اس اعتبار

سے یہ حکم گویا کہ ہر زمانے اور ہر دور کے مرد و زن پر اتمام حجت کر دیتا ہے کہ اللہ کا مطالبہ بہت آسان اور قابل عمل تھا۔اس کے بعد بھی لوگ عمل نہیں کرتے تو اس کا کوئی عذر ان کے پاس نہیں رہ جاتا۔

جو شخص مرد عورت کی نفسیات سے واقف ہے اور انسانی سماج کے مسائل کا ادراک رکھتا ہے وہ ان احکام کی حکمت سمجھتے ہی سجدے میں گرنے پر خود کو مجبور پائے گا۔ ہر انصاف پسند انسان مانے گا کہ یہ احکام ہر افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ نہ قرآن سے پہلے کبھی کسی نے اس مسئلے کی جڑ کو سمجھا نہ بعد میں سمجھ سکا۔ نہ کوئی پہلے اس کا مکمل اور ہر طرح کے حالات میں قابل عمل حل دے سکا نہ بعد میں دے سکا۔ یہی ان آیات مبارکہ کا سبق ہے جو قیامت تک ہر مرد اور خاص کر خواتین پر یہ حجت قائم کرتی ہیں کہ دین کے احکام ہر طرح کے حالات میں قابل عمل ہیں۔

''مومن مردوں سے کہہ دو، (اے پیغمبر کہ اگر عورتیں سامنے ہوں ہوں تو) وہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے۔ اِس میں شبہ نہیں کہ جو کچھ وہ کرتے ہیں، اللہ اُس سے پوری طرح واقف ہے۔

اور مومن عورتوں سے کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کی چیزیں نہ کھولیں، سوائے اُن کے جو اُن میں سے کھلی ہوتی ہیں، اور اپنی اوڑھنیوں کے آنچل اپنے سینوں پر ڈالے رہیں۔

اور زینت کی چیزیں نہ کھولیں، مگر اپنے شوہر کے سامنے یا اپنے باپ، اپنے شوہر کے باپ، اپنے بیٹوں، اپنے شوہر کے بیٹوں، اپنے بھائیوں، اپنے بھائیوں کے بیٹوں، اپنی بہنوں کے بیٹوں، اپنے میل جول کی عورتوں اور اپنے غلاموں کے سامنے یا اُن زیر دست مردوں کے سامنے جو عورتوں کی خواہش نہیں رکھتے یا اُن بچوں کے سامنے جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے ابھی واقف نہیں ہوئے۔ اور اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ اُن کی چھپی ہوئی زینت (لوگوں کے لیے) ظاہر ہو جائے۔ اور ایمان والو، سب مل کر اللہ سے رجوع کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' (النور 24:31-30)

محض ایک کلمہ

''پروردگار! مجھے واپس بھیج دیجیے کہ جو کچھ چھوڑ آیا ہوں اسے کچھ نیکی کماؤں۔''، جواب ملے گا: ''ہرگز نہیں! یہ محض ایک کلمہ ہے جو یہ کہہ رہا ہے۔''، (المومنون 98)

حسرت و یاس کا یہ جملہ موت کے بعد کی دنیا کو دیکھ کر ایک منکر حق کی زبان سے نکلے گا۔ مگر اسے زبان سے نکلا ہوا ایک ''کلمہ'' کہہ کر رد کر دیا جائے گا۔ کم و بیش یہی مکالمہ روز حشر ہوگا جب مجرم اللہ کے حضور پیش ہو کر کہیں گے کہ ہمیں دوبارہ دنیا میں لوٹا دیا جائے کہ ہم نیک عمل کریں، (السجدہ 12:32)، مگر ان کی یہ بات یا ''کلمہ'' رد کر دیا جائے گا۔

اس طرح کی آیات پڑھ کر ایک بندہ مومن تڑپ اٹھتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن اس کے زبان سے نکلے ہوئے کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کو بھی کہیں اسی طرح رد نہ کر دیا جائے۔ اس کا انجام بھی وہی نہ ہو جو منافقین کے کلمہ شہادت کا ہوا تھا:

''یہ منافقین جب تمھارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ بلا شبہ آپ اللہ کے رسول ہیں......اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم اس کے رسول ہو......اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں۔''

بندہ مومن یہ سوچ کر لرز اٹھتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن اسے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ تمھارا ایمان ایک نسلی گروہ کا ایمان تھا۔ تم اپنی قوم کے لیے جیے اور اسی کے لیے مرے۔ تمھارا ایمان ایک فرقہ کا ایمان تھا۔ تم اسی کے لیے جیے اور اسی کے لیے مرے۔ تمھارا ایمان مفادات کا ایمان تھا۔ تم اپنے مفادات کے لیے جیے اور انھی کے لیے مرے۔ تمھارا ایمان تعصّبات کا ایمان تھا۔ تم اپنے تعصّبات کے لیے جیے اور انھی کے لیے مرے۔ تم نے ساری زندگی سچائی کو اپنی قوم، اپنے فرقے، اپنے مفاد اور اپنے تعصب کی عینک سے دیکھا۔

میرے کلام تمھارا پاس آیا۔مگر تم نے اسے اپنی ہی عینک سے دیکھا۔ میرا حبیب تمھارے پاس رہا۔تم نے اسے بھی اپنی ہی عینک سے دیکھا۔ پھر میرے غلام تمھارے پاس آتے رہے۔ وہ تمھیں سمجھاتے رہے۔ایمان واخلاق کی دعوت دیتے رہے۔عمل صالح کی طرف بلاتے رہے۔

مگر تم ہر واضح سچائی کو دیکھنے کے لیے بھی اندھے بنے رہے۔ جو چیز تمھاری خواہشات کے خلاف ہوتی ،تم اسے اٹھا کر اپنے پیٹھ کے پیچھے پھینکتے رہے۔ جو چیز تمھارے تعصّبات کے خلاف ہوتی تم بلا سوچے سمجھے تم اس کے خلاف ہوگئے۔تم دنیا کا سودا خریدنے چار دکانوں پر جاتے تھے مگر جنت کا سودا تمھیں اتنا سستا لگا کہ جہاں پیدا ہوگئے، جہاں پہلے بیٹھ گئے اس سے ہٹ کر ہر دوسری بات سننے سے انکار کردیا۔ یہ تمھارا ایمان تھا؟

تمھارا اخلاق یہ تھا کہ تم جھوٹ بولتے رہے اور اسے پھیلاتے رہے۔تم ہر بربریت کو اگر اور مگر کی ڈھال فراہم کر کے مجرموں کو بچاتے رہے۔تم الزام و بہتان کی بھٹی پر نفرت کی دیگیں پکاتے رہے۔تم میرے بہترین بندوں کے دشمن بن گئے ۔تم نے کتنوں کو مار ڈالا اور کتنوں کو ملک چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ کتنوں کو جھٹلایا اور کتنوں کے خلاف جھوٹی مہم چلا کر انھیں بدنام کیا۔

تم حیا کی باتیں کرتے تھے،مگر ذاتی زندگی میں ہر بے حیائی کے مرتکب ہوتے تھے۔تم جنت کی باتیں کرتے تھے۔مگر تم نے دولت کے ڈھیر اس دنیا کے لیے جمع کر رکھے تھے۔تم دوسروں پر اسلام نافذ کرتے رہے،مگر تمھاری اپنی روح ایمان کی ہر حرارت سے محروم رہی ۔تم لوگوں میں روتے رہے اور دوسروں کر رلاتے رہے۔ مگر تمھاری تنہائی آنسوؤں سے خالی اور زبان گالیوں سے عبارت تھی ۔تم تقریروں میں اسلاف کی باتے کرتے تھے،مگر اسلام کا تحمل اور رواداری کی تمھیں ہوا بھی نہیں لگی ۔ جاؤ آج تمھارا ایمان مردود ہے۔ جاؤ تمھارا کلمہ شہادت رد کیا جاتا۔

کیسا عجیب ہوگا وہ وقت جب بڑے بڑے ''مومنوں'' کا ایمان رد کردیا جائے گا۔

آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

[اپنی پیدائش کے دن مبارکباد دینے والے متعلقین اور دوستوں کو لکھا گیا ایک مضمون]

کتاب زندگی کا ایک اور ورق تمام ہوا......ہجر کی ایک اور رُت بیت گئی۔

یہ زندگی کیا ہے؟ اپنے مالک کے حکم پر اس سے دور رہ کر جینا ہے۔ اس کے قدموں کی مہک ......اس کے تلووں کے لمس کو چھوڑ کر بستی ہجر کو اذن رب پر آباد کرنا ہے۔

آہ کہ ہم غافل اس حقیقت کو بھول کر اِسی دنیا کو اپنا گھر سمجھنے لگتے ہیں۔ کوئی ہم نادانوں کو سمجھائے کہ سرائے کو گھر سمجھنے والوں کو ایک دن رخصت کا پروانہ تو ملتا ہے، مگر متاع حیات سمیٹنے کا موقع نہیں ملتا۔ ان بدنصیبوں کی کُل کمائی سرائے فانی میں رہ جاتی ہے......اس بستی ہجر میں اذن سفر یکدم ہی ملا کرتا ہے۔ سو جو سامان باندھے بیٹھا ہے، وہ تو زاد سفر لے لے گا......اور جو غافل رہا، جاہل رہا، کاہل رہا......اس کے لیے کچھ بھی نہیں، نہ یہ جہاں نہ وہ جہاں۔

پروردگار کے حکم پر اِس دنیائے دوں کے شعلہ بار دنوں میں جلنا اور بستی ہجر کی یخ بستہ راتوں میں بجھتے اور سلگتے رہنا ایک عجیب داستان ہے۔ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ رحمٰن نے انسان کو کیوں بنایا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ نہ بناتا تو یہ داستانِ ہجر اعلیٰ مرتبت سردار جبریل لکھ پاتے نہ عالم آب و گل کے چلتے، اڑتے، تیرتے مکیں صفحہ ہستی پر تحریر کر پاتے۔ اگر دل میں احساس خلیل اللہ ابراہیم کی طرح زندہ ہو تو تنہا یہی شرف، زندگی کی ہر آگ کو گل و گلزار بنانے کے لیے بہت ہے...... یہ الگ بات ہے کہ رحمٰن اس قرض کو اس طرح اتارے گا کہ ابراہیم اور آل ابراہیم کو ابدی طور پر بادشاہی کی خلعت فاخرہ عطا کر دے گا۔ اور دل میں احساس نہیں تو یہی دنیا بہت جہنم ہے۔ خَسِرَ الدُّنیَا وَالْآخِرَةَ ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ۔

خسارہ پانے والوں کو چھوڑیے جو ہماری نگاہ میں بہت اور البصیر والخبیر کی نگاہ میں بہت کم

ہیں۔اس عالم فانی کو گھر کے بجائے بستی ہجر سمجھنے والوں کی طرف آیئے جو بہت کم ہو کر بھی سب کچھ ہیں۔ یہ دو طرح کے ہیں۔ایک وہ جو فراق کی آگ میں جلتے، بجھتے اور سلگتے رہتے ہیں۔ان کی حیات پرسوز کو پروین سلطانہ حناؔ نے کمال سادگی کے ساتھ یوں بیان کیا ہے۔

دن......مہینہ سال میں ڈھلتا رہا

وقت کا پہیہ یونہی چلتا رہا

تجھ کو کیا معلوم تیرے ہجر میں

اک دیا جلتا رہا بجھتا رہا

ان کا مقصود اس دل کو پانا ہوتا ہے جو اپنی ہستی قربان کر کے بھی مل جائے تو نقصان کا سودا نہیں۔

جل گئی مزرع ہستی تو اگا دانا دل

دوسرے وہ ہیں جن کا ذوق شاعرمشرق کی طرح ہوتا ہے جو محبوب حقیقی سے بے تکلفی کا مکالمہ کرنے کی جرات رکھتے تھے:

باغِ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں

کارِ جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر

یہ صاحبان جنوں وہ ہیں جو دنیائے آب گل میں خالق آب و ِگل کی مرضی کے پھول کھلانا چاہتے ہیں۔انہیں وصال یار سے زیادہ، خیال سے زیادہ......گیسوئے یار سلجھانے کی فکر ہوتی ہے۔مگر یہ کام لمبا ہے۔سوانہیں وصال کی جلدی نہیں۔سلگتے وہ بھی ہیں،مگر اقبال کی طرح یار کو انتظار کا مشورہ دے کر،اپنے اندر کی آگ سے پتھروں کو جونک لگانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔

میں اب عمر کے اس حصے میں ہوں جہاں آقائے دو جہاں کو انذار عام کا حکم دیا گیا تھا۔

يَـا أَيُّهَـا الْـمُدَّثِّرُ ۔قُمْ فَأَنذِرْ ۔ وَرَبَّكَ فَـكَبِّـرْ ۔وَثِيَـابَكَ فَـطَهِّـرْ۔وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۔وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ۔وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۔

اے اوڑھ لپیٹ کر بیٹھنے والے، اٹھو اور انذارِ عام کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ اپنے رب ہی کی کبریائی کا اعلان کرو۔، اپنے دامن دل کو پاک رکھو، (اردگرد پھیلی) غلاظت سے دور رہو اور اپنی سعی کو زیادہ خیال کر کے منقطع نہ کر بیٹھو اپنے رب کے فیصلے انتظار میں ثابت قدم رہو۔

اِس حکم سے قبل آقائے دو جہاں حبِ الٰہی کے سوز میں ڈوب کر سیرت و شخصیت کی آخری عظمتوں کو تخلیق کرتے اور اپنے قریبی لوگوں کو مالک دو جہاں کے قدموں میں لا کر ڈالتے رہے۔ انذارِ عام کا حکم آیا تو حبِ الٰہی کا یہ شعلہ بھڑکا اور عرب کا کوئی کچا پکا گھر نہ بچا جو نورِ الٰہی سے روشن نہ ہو گیا۔ پھر عالم عجم پر رحمتوں کا یہ بادل برسا اور ہر بنجر زمین کو سیراب کر گیا۔ سلام ہو محمد اور آل محمد پر جس طرح سلام ہوا ابراہیم اور آل ابراہیم پر۔

اب وقت آ گیا ہے کہ کُل عالم نورِ نبوت سے روشن ہو جائے۔ امت کا آخری حصہ اٹھے اور پوری انسانیت پر اسی طرح برسے جس طرح پہلا حصہ عالم عجم پر برسا تھا۔ گو صاف نظر آتا ہے کہ پہلے والوں میں سے یہ بہت تھے اور پچھلے والوں میں سے بہت کم ہوں گے۔ ثُلَّةٌ مِّنَ الْأَوَّلِينَ۔ وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ۔

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے اپنے طریقوں سے یہ کرنا بھی چاہتے ہیں۔ مگر جب میں ان کو اور پھر سرکار دو عالم کو ملنے والے حکم کو دیکھتا ہوں تو طبیعت پراگندہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ قُمْ فَأَنذِرْ ۔ وَرَبَّكَ فَـكَبِّـرْ کو اپنے سفر کی منزل سمجھ بیٹھے ہیں۔ نادان یہ نہیں جانتے کہ یہ کام تو اللہ کراتا ہے۔ بندے کی اپنی نجات آگے بیان کردہ کاموں میں ہے۔ یہاں کسی کو یہ بھی نہیں خبر کہ آگے کیا کہا گیا ہے: وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۔ وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ۔وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۔

شخصیت میں ہر آلودگی، اخلاق میں ہر پستی، ہمت میں بے حوصلگی اور طبیت میں بے صبری کے ساتھ خدا کی مرضی نہ پہلے کبھی بیان ہوسکی ہے نہ آج ان لوگوں سے یہ خدمت لی جائے گی۔ خدا کی کبریائی ایسے لوگ نہ پہلے قائم کر سکے نہ آج کر سکیں گے۔

یہ سب لکھ کر خیال آتا ہے کہ میں ان سب سے کیسے مختلف ہوں ......

عجب سانحہ ہے کہ انسان کے حق میں سب سے معتبر گواہی اس کی اپنی ہوتی ہے اور وہی گواہی ......اس معاملے میں سب سے بڑھ کر مردود ہوتی ہے۔ ہاں مگر صاحبان بصیرت کہتے ہیں کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ ایک استاد، ایک داعی کس طرح کے لوگ پیدا کر رہا ہے......وہی اس کی جدوجہد کے حق و باطل کا فیصلہ کر دیتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اپنی قوم پر سچی تھی اسی لیے وہ اصحاب پیدا ہوئے جن کی گواہی کل عالم کے لیے معتبر ٹھہری۔

سو میرے دوستو! مجھے مبارکباد اس وقت دیجیے جب آپ کے اندر خدا کی مرضی عام کرنے اور اس کی کبریائی بیان کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ آپ اپنے دامنِ دل ......اپنی شخصیت کو پاکیزہ سے پاکیزہ تر بناتے جائیں۔ ایمان اور اخلاق کی ان نجاستوں سے آپ خود کو بچا رہے ہوں جو ایک سیلاب بلا کی صورت ہر گھر کے درپے ہیں۔ دین کے لیے اپنی کسی سعی کو آپ آخری جان کر بیٹھنے والے نہ ہوں اور ہر بہتان تراش، جھوٹے اور دغاباز کی باتوں پر صبر کرنے والے نہ بن جائیں۔

آپ اس راستے پر پہلا قدم رکھ دیجیے۔ پھر مجھے مبارک باد دیجیے۔ ورنہ روز قیامت میری اور آپ کی رسوائی کا منظر ایک سا ہوگا۔ اقبال نے یہ کہا تو کسی اور پس منظر میں تھا۔ مگر اس پہلو سے بھی یہ شعر نقل کرنا غلط نہیں۔

روزِ حساب جب مرا پیش ہو دفترِ عمل
آپ بھی شرمسار ہو مجھ کو بھی شرمسار کر

سلسلہ روز وشب

ابو یحییٰ

تعصّبات میں صحیح رویہ

میرے نزدیک اس وقت معاصر مسلمانوں میں کام کرنے کے جو پہلو بہت اہم ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایمان واخلاق کی دعوت کو نہ صرف پوری قوت سے زندہ کیا جائے بلکہ اسی کو مسلمانوں کا اہم ترین مسئلہ بنادیا جائے۔ کسی شخص کی نیکی، کسی گروہ کے معیار حق ہونے، کسی عالم یا داعی کی دعوت کو پرکھنے کا معیار ہی یہ ہونا چاہیے کہ اس کے ہاں ایمان واخلاق کو کیا حیثیت حاصل ہے۔

دوسرا اہم کام یہ ہے کہ فرقہ واریت اور تعصّبات کی شناعت اور برائی کو واضح کیا جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ یہی وہ چیزیں ہے جو ایمان واخلاق اور خیر کی ہر دعوت کو رد کرنے اور اس کی مخالفت کرنے جیسے مذموم مقام پر انسان کو پہنچا دیتی ہیں۔ یہ معاشرے میں فساد اور دوسروں کی جان، مال اور آبرو پر تعدی اور ظلم کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے اتحاد اور اتفاق کو اختلاف اور نفاق میں بھی یہی بدلتی ہیں۔ فکر وخیالات میں ارتقا اور علم ودانش کی ترقی کا راستہ بھی یہی چیزیں روکتی ہیں۔ انبیا ورسل کی اقوام انہی کی بنا پر ان کا کفر کرتے رہے اور ان کو ایذا دینے کا سبب بنتے رہے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر یہ چیزیں اگر کسی میں پائی جائیں تو اللہ کے حضور اسے مجرم کی شکل میں پیش کرنے کا سبب بن جائیں گی۔

اس تمہید کا سبب یہ ہے کہ آج میں آپ کے سامنے اپنے کچھ خطوط رکھ رہا ہوں۔ یہ خط جس بہن کو لکھے گئے انہوں نے ایک معاصر عالم کے خلاف پروپیگنڈا پر مبنی ایک ای میل بھیج کر میری رائے طلب کی تھی۔ جواب میں میں نے بہن کو تعصب اور فرقہ وارانہ رویے پر مبنی اس طرح کے پروپیگنڈے کے نتائج کی طرف کچھ توجہ دلائی ہے۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہی ہے کہ دیگر مسلمان

اس طرح کی چیزوں سے خود کو محفوظ رکھیں۔ خط کا پیرایہ عام مضمون سے بڑا مختلف ہوتا ہے، مگر اس میں بعض چیزیں عملی مثالوں یا واقعات سے اس طرح بیان ہو جاتی ہیں جن کا مضمون کی شکل میں بیان کرنا مشکل ہوتا ہے۔ ہاں کچھ اضافی چیزیں عام قارئین کو پڑھنی پڑھتی ہیں مگر وہ بھی مفید ہی ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ ان خطوط میں اہل علم کے نام آئے ہیں جو کہ حذف کر دیے گئے ہیں۔

پہلا خط

عزیز بہن

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ

میں بہت معذرت چاہتا ہوں کہ میرا جواب اپ کے لیے باعث تشفی نہ ہو سکا۔ آپ کی یہ شکایت بھی سر انکھوں پر کہ میں نے اپ کا ای میل پورا نہیں پڑھا اور جواب دیدیا۔ میں اس میں صرف یہ اضافہ کروں گا کہ میں نے اپ کا ای میل سرے سے پڑھا ہی نہیں۔ مگر اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کے بھیجے ہوئے ای میل میں کسی قسم کی کوئی تحریر نہ تھی اور یہ بالکل خالی تھا۔ ای میل کے سبجیکٹ یعنی what do you say about this اور ساتھ منسلک اٹیچمنٹ کی بنیاد پر میں نے ایک جواب دے دیا تھا۔ آپ کو بہن کے بجائے بھائی کہہ کر مخاطب کرنے کا سبب بھی یہی تھا کہ آپ کے بھیجے ہوئے ای میل ایڈریس یعنی Deejah سے آپ کی حقیقی جنس دریافت کرنا عملاً ناممکن تھا۔ اسی لیے اس گنہ گار نے ایک اجتہاد کیا جو بدقسمتی سے غلط ثابت ہوا اور آپ کے لیے باعث تکلیف ہو گیا۔ تاہم میرے بارے میں یہ فیصلہ کرنے سے قبل کہ میں نے ای میل پڑھے بغیر جواب دے کر ایک غلط کام کیا آپ اگر مجھ سے پوچھ لیتیں کہ میں نے ایسا کیوں کیا تو میں یہی بات آپ کو بیان نے کر دیتا جو ابھی بیان کی ہے اور آپ اس احساس ندامت سے بچ جاتیں جو شاید اب میرا ای میل پڑھنے کے بعد آپ میں پیدا ہوا ہوگا۔ تاہم یقین رکھیے میرا

مقصود آپ کو شرمندہ کرنا ہرگز نہیں صرف اپنی صفائی پیش کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ای میل آپ نے لکھا ہوگا۔ مگر کسی غلطی کی وجہ سے وہ بھیجنے سے قبل ہی مٹ گیا ہوگا اور میرے پاس خالی ای میل آ گیا۔ میں لوگوں سے حسن ظن سے کام لیتا ہوں۔ یہی اللہ رسول کا حکم ہے۔

تاہم مثبت انداز فکر ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہر کام میں اللہ کی کوئی بہتری ہوتی ہے۔ یہی بہتری جب میں نے آپ کے ای میل میں تلاش کرنا چاہی تو مجھے معلوم ہوا کہ جو بات آپ پوچھنا چا رہی ہیں آپ کے اخلاص کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپ کو ایک عملی تجربے سے اس کا جواب عطا فرما دیا ہے۔

وہ تجربہ یہ ہے کہ کسی کے متعلق کوئی بھی رائے قائم کرنے سے پہلے تحقیق کر لینا چاہیے۔ مثلا میرے بارے میں یہ رائے قائم کرنے سے قبل کہ دین کا ایک طالب علم لکھنا پڑھنا ہی جس کا کام ہے اتنا غیر ذمہ دار ہوسکتا ہے کہ کسی کی ای میل پڑھے بغیر اسے ایک رائے دے دے۔ آپ یہ کرتیں کہ میرے جواب کے نیچے دیکھ لیتیں تو وہاں آپ کو خالی جگہ نظر آتی۔ مطلب اس کا یہ ہے جب کوئی ای میل کا جواب دیتا ہے تو بھیجنے والے کا لکھا ہوا مواد نیچے آجاتا ہے مگر اس کیس میں میرے جواب کے نیچے آپ کو کوئی مواد نہیں ملتا اور آپ کو سمجھ آتا کہ غلطی سے آپ کا لکھا ہوا مٹ گیا ہے۔ یا دوسری شکل یہ ہونی چاہیے تھی کہ مجھ پر اعتراض کرنے سے قبل آپ مجھ سے پوچھ لیتی کہ بھائی آپ نے میرا ای میل پڑھے بغیر جواب کیسے دے دیا۔

یہی وہ دو بنیادی اصول ہیں جو ہمیں کسی کے بارے میں قائم کرنے چاہییں۔ محض ظن و گمان اور سنی سنائی باتوں پر کسی کے بارے میں میں منفی رائے قائم کرنا قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک گناہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔

ارشاد نبی کریم ہے۔

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ

تم بدگمانی سے بچو اس لئے کہ بدگمانی سب سے زیادہ جھوٹی بات ہے

اس تمہید کے بعد یہ عرض ہے کہ بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر کہ آپ نے میری کتاب تیسری روشنی پڑھ رکھی ہے۔اس میں اس گنہہ گار نے بڑی تفصیل سے انہی سب باتوں پر توجہ دلائی تھی۔ امید ہے کہ آپ اس کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کر لیں گی تو آپ کو آپ کے سوال کا جواب خود ہی مل جائیگا۔ وہ جواب یہ ہے کہ جب کسی شخص کے بارے میں اس درجہ کا پروپیگنڈا آپ تک پہنچے جس کے نتیجے میں اس شخص کو یہود کا ایجنٹ یا دوسرے الفاظ میں کافر اور منافق ثابت کیا جا رہا ہو تو میرے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں خود ہی تحقیق کر لیں نہ کر سکیں تو اس شخص سے اس کا نقطہ نظر پوچھ لیں۔ اس کے بغیر کسی بھی شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنا، اسے گمراہ سمجھنا، اس کے ایمان اور نیت کے بارے میں رائے قائم کرنا، ان صحیح روایات کے مطابق جن کو میں نے تیسری روشنی میں نقل کیا ہے، قیامت کے دن اپنے ایمان کے سلب ہونے کی شکل میں نکل سکتا ہے۔

کوئی اور یہ کرے نہ کرے میں کوشش کرتا ہوں کہ اسی اصول کی پیروی کروں۔ اب اسی اصول کی روشنی میں میں نے جب آپ کے بھیجے ہوئے ای میل میں ان عالم کے متعلق گمراہی کے سرٹیفکیٹ کا مطالعہ کیا تو جو نتیجہ نکلا وہ میں آپ سے شیئر کرنا چاہوں گا۔ میری دلچسپی کا موضوع چونکہ آخرت کی نجات ہے اس لیے میری نگاہ چوتھے نکتے پر اٹک گئی۔ جس کے تحت یہ لکھا ہے کہ ان عالم کے مطابق قیامت کے دن حضور نبی کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے سامنے کسی کی شفاعت نہیں کر سکیں گے۔ ساتھ میں ان کی کتاب کا حوالہ درج ہے۔ جب میں یہ صفحات کھول کر پڑھے تو وہاں تو اس کے بالکل برعکس بات لکھی ہوئی تھی۔ ان صفحات میں تو یہ بتایا

گیا تھا کہ نبی کی شفاعت کن اصولوں کے تحت ہوگی اور وہ کون لوگ ہیں" جن کے بارے میں شفاعت کی توقع ہوسکتی ہے۔"۔ یہ آخری الفاظ جو کوٹ میں ہیں اس شخص کے ہیں جس کے بارے میں شفاعت کو نہ ماننے کا دعوی کیا گیا ہے۔ میں اوراپ یہ حق رکھتے ہیں کہ ان اصولوں سے اتفاق یا اختلاف کریں مگر یہ کہنا کہ مصنف شفاعت کا قائل نہیں بدترین درجہ کا جھوٹ اور دروغ گوئی ہے۔ وہاں تو اس کے برعکس یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نبی نے اس دنیا میں بھی بندوں کی شفاعت کی اور قیامت میں بھی کریں گے۔ اس درجے کا جھوٹ اور ایسی بددیانتی کے مرتکب شخص کا آپ تصور کرسکتی ہیں اللہ تعالیٰ کیا حشر کریں گے۔

ایسے جھوٹے دغاباز شخص کی بات پر اگر بلاتحقیق آپ نے یقین کیا تو آپ کو بھی روز قیامت طلب کرلیا جائے گا۔ آپ تصور کیجیے کہ اللہ کی بارگاہ میں آپ کھڑی ہیں۔ اور آپ سے پوچھا جارہا ہے کہ تم نے بلاتحقیق اس بہتان پر کیوں یقین کیا۔ اس یقین کو اپنے بچوں تک بھی منتقل کردیا کہ یہ شخص فتنہ ہے۔ مجھے بتایے قیامت کے دن آپ کیا جواب دیں گی۔ آپ یہ جواب دیں گی کہ میرے پاس ایک ای میل آیا تھا جسے میں نے بلاتحقیق آگے بڑھادیا۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ خود قرا ن وحدیث کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزنی ہے۔ اس نوعیت کے ہر جواب کو رد کردیا جائے گا۔ پھر یہ معاملہ چونکہ کسی فرد کے ایمان اور نیت پر براہِ راست حملے کا ہے تو حدیث کے مطابق بہتان لگانے والے کا ایمان سلب کرکے اس کی ساری نیکیاں دوسرے شخص کو دے دی جائیں گی۔ اور اسے جہنم رسید کردیا جائے گا۔ تاہم مجھے اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ آپ نے چونکہ سوال کرکے تحقیق کا عمل شروع کردیا ہے اس لیے کم ازکم آپ اس جگہ پر انشاء اللہ نہیں ہوں گی بلکہ ان اہل ایمان کے ساتھ عرش کے سائے میں ہوں گی جو عمل صالح ہی نہیں کرتے بلکہ اپنے ایمان اور اعتقاد کو بھی تحقیق پر استوار کرتے ہیں۔

یہاں میں چاہوں گا کہ ایک دوسرے امکان اور قیامت میں اس کے نتیجے کو بیان کردوں۔
دوسرا امکان یہ ہے کہ کسی عالم نے واقعی دین کے کسی معاملے میں ایک رائے قائم کرنے میں بالکل ٹھوکر کھائی ہو، مگر اس کی بنیاد پر اس پر یہودو نصاریٰ کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا تب کیا ہوگا۔ تب یہ ہوگا کہ جس شخص نے اس پر یہودو نصاریٰ کا ایجنٹ ہونے کا فتویٰ لگایا اس کو بلا لیا جائے گا اور عالم کو بھی بلا کر پوچھا جائے گا کہ کیا تم دین کے دشمنوں کے ایجنٹ تھے۔ وہ کہے گا پروردگار تو دلوں کا حال جانتا ہے میں نے تو جو دین اپنے علم کی بنیاد پر سمجھا دیانت داری سے بیان کر دیا۔ میرا تیرے دشمنوں سے کیا تعلق۔ چنانچہ صحیح حدیث کے مطابق اس عالم کی غلطی کو اجتہادی خطا سمجھا جائے گا۔ اور ایک اجر بہرحال ملے گا۔ البتہ جس شخص نے الزام لگایا اس کا الزام صحیح احادیث کے مطابق اس پر لوٹے گا اور وہ خود خدا کے دشمنوں کا ایجنٹ قرار پا کر جہنم رسید ہوگا۔

معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کے ایک چھوٹے سے سوال کا اتنا طویل جواب دیا۔ لیکن میرے نزدیک یہ نجات کا مسئلہ ہے اس لیے پوری صورتحال کو واضح کرنا ضروری ہے۔ اب میں یہ آپ پر چھوڑتا ہوں آپ کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔

البتہ پھر درخواست کروں کہ تیسری روشنی کا دوبارہ مطالعہ کیجیے۔ اس میں اپ کو بار بار اس کا ذکر ملے گا کہ ہمارے پیدا کردہ اس فرقہ واریت کے جہنم میں دین کا کوئی بڑا عالم آپ کو نہیں ملے گا جس کے خلاف اسی نوعیت کے کفر کے فتوے، گمراہی کے سرٹیفکیٹ نہ ملیں۔ پھر میری درخواست یہ ہوگی کہ کسی عالم اور کسی مسلک کی کوئی کتاب کسی کو نہ پڑھوائیں کیونکہ اطمینان رکھیے کہ اگر پروپیگنڈا کوئی معیار ہے تو اس معیار پر اس معاشرے کا ہر بڑا عالم اور ہر مسلک کا فرد کافر، مشرک، بدعتی، گستاخ رسول، منکر درود، منکر حدیث، گمراہ، بددین اور یہودو نصاریٰ کا ایجنٹ ہے۔
اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اپنے تعصّبات کی پیروی کے بجائے اعلیٰ ایمان اور اخلاقی رویوں کی

پیروی کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

دوسرا خط

یہ خط ایک اور بہن نے لکھا۔ یہ بہن دعوت دین کے کاموں میں پوری طرح ہمارے ساتھ شریک ہیں۔انہوں نے کوئی الزام و بہتان ہرگز نہیں لگایا تھا،مگر اپنی سہیلی کے حوالے سے ایک اور صاحب علم کے بارے میں یہ بات لکھی تھی کہ وہ اپنے سوا دوسروں کی کتابیں پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔اس کے جواب میں جو کچھ میں نے لکھا وہ درج ذیل ہے۔

عزیز بہن

السلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہ

میں یہ چاہتا ہوں کہ مولانا......صاحب کے حوالے سے جو آپ نے پچھلے ای میل میں بات لکھی ہے اس پر ایک اہم چیز کی طرف توجہ دلاؤں۔ میری ناقص رائے میں ہمیں اہل علم کے متعلق مثبت رائے قائم رکھنی چاہیے۔ یہ بات کہ مولانا اپنے چاہنے والوں کو دوسروں کا لٹریچر پڑھنے سے منع کرتے ہیں،علی الاطلاق درست معلوم نہیں ہوتی۔ وہ جس سطح کے عالم ہیں،اس سطح کا عالم کبھی دوسرے اہل علم سے خوفزدہ نہیں ہوتا کہ دوسروں کی چیز پڑھنے سے اس کے علم اور تحقیق کی کوئی کمزوری سامنے آجائے گی۔کسی عالم کے بارے میں کسی ایک فرد کی سنی سنائی بات پر کوئی رائے قائم کرنے کے بجائے ان کی اپنی تحریر اور نقطہ نظر پیش کرنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کی سہیلی جھوٹی ہے،مگر ہوسکتا ہے کہ ان کو جو بات کہی گئی وہ کسی خاص پس منظر میں ہو۔

ان کے تحریر کردہ لٹریچر میں اس بات کا کوئی اشارہ نہیں ملتا کہ دوسروں کی چیزیں نہ پڑھی جائیں۔ مزید یہ کہ ان کے ایک شاگرد مولانا......صاحب تو مستقل میرے ساتھ رابطے میں

رہتے ہیں اور مختلف علمی استفسارات کرتے رہتے ہیں۔ وہ خود بھی ایک بڑے عالم دین ہیں لیکن اس کے باوجود میرے جیسے معمولی طالب علم کو اس پہلو سے اپنا استاد بھی کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ مولانا......کی تربیت یہ ہوتی تو وہ کبھی ان کے سوا کسی اور کو نہ پڑھتے۔

ہمیں علما کو انسان سمجھنا چاہیے۔ نہ یہ کہ کسی کو ایسا بے عیب سمجھنے لگیں کہ اس کی ہر بات حرف آخر ہے اور نہ یہ کہ ہر کس و ناکس کی گواہی پر کسی بڑے عالم کے متعلق کوئی منفی رائے قائم کر لیں۔ توازن زندگی کا حسن ہے یہی حسن ہمیں ہر معاملے میں اختیار کرنا چاہیے۔

امید ہے آپ میری باتوں کا برا نہیں مانیں گی۔

جو لوگ ایمان اور اخلاق کی راہ پر چلتے ہیں
جنت خود ہی ان منزل بن جاتی ہے اور
جو لوگ خواہش اور تعصب کی راہ پر چلتے ہیں
جہنم خود بخود ان کی منزل بن جاتی ہے

پروفیسر محمد عقیل

پریشان ہونا چھوڑیئے، جینا شروع کیجئے

اصول نمبر 6۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کیجئے

کیس اسٹڈی:

وہ جب آفس میں داخل ہوا تو بہت خوش تھا کیونکہ ترقی ہونے کے بعد یہ پہلا دن تھا۔ نیا کمرہ، گھومنے والی کرسی، گھنٹی پر حاضر ہونے والا چپراسی، ٹھنڈک والی مشین، انٹر کام اور بہت کچھ اس کا منتظر تھا۔ وہ انہی خیالات میں کھویا دفتر میں داخل ہوا۔ وہ توقع کر رہا تھا کہ اس کا شاندار استقبال کیا جائے گا۔لیکن یہ کیا؟ یہاں تو کچھ بھی نہ ہوا۔سب لوگ اپنی سیٹ پر بیٹھے تھے اور کسی نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ وہ کچھ دیر تو شش و پنج کے عالم میں کھڑا رہا لیکن جب کوئی رسپانس نہ ملا تو اپنے کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ وہی کمرہ تھا جس کے بارے میں وہ تھوڑی دیر قبل تصوراتی دنیا میں کھویا ہوا تھا۔لیکن دفتری ساتھیوں کے رویئے نے اس کا موڈ خراب کر دیا تھا۔ وہ کافی دیر بیٹھ کر یہی سوچتا رہا اور اپنے ساتھیوں کی بے رخی پر ماتم کرتا رہا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ اس عمل سے اسے ہی نقصان ہو رہا ہے تو اس نے اس خیال کو جھٹک دیا اور اس نئی زندگی کے پہلے دن کو انجوائے کرنے کے لئے تیار ہو گیا"۔

وضاحت:

ہماری زندگی کا بہت تھوڑا حصہ ہمارے اختیار میں ہوتا ہے۔ ہمارے ماحول کی لاتعداد چیزیں ہمارے اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ان میں کچھ معاملات بڑے ہوتے ہیں کچھ چھوٹے۔ بڑے معاملات کے نتائج چونکہ سنگین نکلتے ہیں اس لئے ہم انہیں حل کرنے کی پوری کوشش کرتے اور ذہنی طور پر ان سے نبٹنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔لیکن چھوٹے چھوٹے مسائل کو ہم کم اہم سمجھ کر حل نہیں کرتے۔ جب یہ چھوٹے مسائل حل نہیں ہوتے تو وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ

طاقت ور ہو جاتے ہیں اور ہماری شخصیت کو شکست دینے پر تل جاتے ہیں۔

ان چھوٹے چھوٹے معاملات سے ہمیں روزمرہ واسطہ پڑتا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کہیں بھی ہو سکتی ہیں۔ عام طور پر رویوں میں یہ شکایت ہوتی ہے کہ کسی نے سلام نہیں کیا، منہ بنا کر بات کی، خیریت نہیں پوچھی، مہمانداری نہیں کی، تعاون نہیں کیا وغیرہ۔ یہ معمولی باتیں چیزوں کے حوالے بھی ہوتی ہیں جیسے گھر کی بکھری ہوئی چیزیں، دیوار کی دراڑ، لباس کی شکنیں، بد ذائقہ کھانا وغیرہ ہمارا موڈ خراب کر دیتے ہیں۔ ماحول میں بھی ان باتوں کا امکان موجود رہتا ہے جیسے ٹریفک جام کی شکایت، لوڈ شیڈنگ، شدید گرمی وغیرہ۔

غرض روزمرہ کی زندگی میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہمیں ایک ایسے مچھر کی طرح تنگ کرتی رہتی ہیں جو کان پر آ کر بھن بھن کرتا اور بار بار کرتا رہتا ہے۔ ان باتوں کا علاج یہ ہے کہ ان پر کان نہ دھرا جائے، انکے بارے میں سوچ کر ذہنی توانائی کو صرف نہ کیا جائے، ان پر توجہ نہ کی جائے اور ان کو سوچ میں آنے سے پہلے ہی فنا کر دیا جائے۔ یہ باتیں اتنی معمولی اور حقیر ہوتی ہیں کہ ان کو ابتدا میں ہی نظر انداز کر دینا ضروری ہے۔

زندگی انتہائی مختصر لیکن پریشان کن ہے۔ یہ غیر حقیقی پریشانیاں ہماری زندگی کو مزید مختصر اور زیادہ پریشان کن بنا دیتی ہیں۔ ان کو نظر انداز کیجئے اور زندگی کا لطف اٹھایئے۔

اسائنمنٹ:

- ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی فہرست بنائیں جو آپ کو تنگ کرتی ہیں۔
- ان پریشانیوں پر غور کریں کہ آیا یہ قابل حل ہیں یا نہیں۔
- اگر یہ قابل حل ہوں تو انہیں حل کر لیں اور اگر نہیں تو انہیں بھول جائیں۔
- بھولنے کے ایک ہفتے بعد دوبارہ جائزہ لیں کہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کو دوبارہ تو تنگ نہیں کر رہی ہیں؟

سوال وجواب

ابو یحییٰ

انسان تکبر کیوں کرتا ہے؟

سوال: السلام علیکم

محترم سر، امید کرتا ہوں کہ آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں محمد اسد، آپ کا روحانی طالب علم۔ آج میں ایک بہت ہی اہم موضوع لے کر حاضر ہوا ہوں۔ میں نے اکثر لوگوں کو دیکھا ہے غرور وتکبر کرتے ہوئے۔ میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ لوگ غرور وتکبر کس وجہ سے کرتے ہیں؟ اور میں جانتا ہوں کہ اس کا جواب سر آپ ہی بہتر طور پر دے سکتے ہیں، سر میں روزانہ لوگوں کو دیکھتا ہوں، جو مال و دولت رکھتے ہیں اور وہ غرور وتکبر کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو کسی دوسری دنیا کی مخلوق سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ اپنے سے چھوٹے لوگوں سے نفرت کرتے ہیں اور ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ جب کہ بات تو یہ ہے کہ سب کچھ دینے والی ذات تو اللہ کی ہے۔ اگر وہ سب کچھ دے سکتا ہے تو چھین بھی سکتا ہے اور اگر وہ سب کچھ چھین لے تو اور کون ہے اس کے علاوہ جو عطا کرے۔

سر لوگ کیوں دولت کے نشے میں آخرت کو بھول جاتے ہیں اور یہ بھی کہ انھیں بھی کبھی مرنا ہے اور اپنے رب کے حضور پیش ہونا ہے۔ وہ لوگوں سے نفرت کرنے لگ جاتے ہیں۔ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو جو کچھ ملا وہ سب ان کی محنت اور مشقت کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے سے چھوٹے انسان کو کمتر سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ یہ حقیر مخلوق ہے جسے کچل دینا چاہیے۔ حالانکہ اسلام نے تو غیر مسلموں کے ساتھ بھی محبت کرنا سکھایا ہے۔ پھر وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں، کیا یہ ان کے ذہن کا فتور ہوتا ہے یا دولت کا نشہ؟

مجھے سر ان کے رویے پر بہت دکھ ہوتا ہے، جیسا یہ لوگوں کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ آپ ہی سر مجھے سمجھا سکتے ہیں کہ ان کا یہ رویہ کیوں ہوتا ہے اور ان کے ساتھ انسان کو کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

والسلام

آپ کی دعاؤں کا طلبگار

محمد اسد

جواب: محترم بھائی محمد اسد صاحب

السلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہ

جواب میں تاخیر کے لیے معذرت۔ یقیناً یہ بہت اہم موضوع ہے۔ لیکن اپ نے اس سوال میں خود ہی اپنے سوال کا جواب بھی دے دیا ہے۔ یعنی جب انسان اس دنیا میں اپنی حیثیت، اللہ کے مقابلے میں اپنے عجز اور پستی، آخرت میں اللہ کے حضور اپنی پیشی اور وہاں کی بے کسی کو بھول جاتا ہے تو انسان اپنے اپ کو بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے۔ یہ چیز انسان کو تکبر میں مبتلا کرتی ہے۔

آپ نے اخلاقی طور پر تو اصل مسئلے کی نشاندہی کر دی ہے۔ میں صرف یہ اضافہ کروں گا کہ انسان اس رویے کا شکار ہی کیوں ہوتا ہے۔ میرے نزدیک اس کا سبب انسان کی سطحیت اور تھڑدلا پن ہے۔ انسان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ محسوسات میں جیتا ہے۔ اگر اسے یہ محسوس ہو کہ اس کے پاس دولت، حسن، ذہانت، مقام و مرتبہ ہے تو وہ ان چیزیں کی گہرائی میں جانے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ جو بظاہر نظر آتا اور محسوس ہوتا ہے اسی کو آخری حقیقت سمجھ لیتا ہے۔ یہ سطحیت ہے۔ یہی سطحیت ہے جس کی بنا پر انسان یہ بھول جاتا ہے کہ یہ سب رب کی عطا ہے اور وہ جب چاہے اسے لے لے اور یہ کہ ایک روز اسے خالی ہاتھ اس دنیا سے رخصت ہونا ہے۔ اس کے بعد

انسان کا تھڑدلا پن اور کم ظرفی اسے آمادہ کرتی ہے کہ وہ دوسروں کو حقیر سمجھے۔ وہ ان کی توہین کرے اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھے۔

اس لیے میری نظر میں ایک متکبر آدمی دراصل ایک انتہائی سطحی اور کم ظرف شخص ہوتا ہے۔ وہ خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے مگر دراصل وہ خود سب سے زیادہ محروم شخص ہوتا ہے۔

ابو یحییٰ

کیا ہر مشکل اللہ کی طرف سے ہوتی ہے؟

سوال: السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

سب سے پہلے میں آپ کو بار بار پریشان کرنے پر معذرت خواہ ہوں۔ میں یہ جانتی ہوں کہ یہ آن لائن سوال جواب کا فورم نہیں ہے، اور آپ ایک مصروف شخص ہیں۔

میں سورہ یونس آیت نمبر 107 کے ترجمے سے کنفیوز ہوں۔ ''اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

کیا ہر مشکل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، مطلب اگر کوئی مجھے بہت دکھ دیتا ہے، اس سے میں بہت پریشان ہوجاتی ہوں، تو کیا یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ میں کنفیوز ہوں کہ میں کس طرح وضاحت کروں۔ کیا لوگوں کی دی گئی تکلیفیں اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، کیا اللہ ان لوگوں کے دماغ میں یہ سب ڈالتا ہے۔

میں سکون چاہتی ہوں، جو میرے پاس نہیں۔ ہر دن میں یہ فیصلہ کرتی ہوں کہ میں اللہ سے

شکایت نہیں کرونگی، لیکن اگلے دن پھر کچھ ایسا ہوجاتا ہے اور میں اللہ سے شکایت کرنے لگتی ہوں۔ میں کیسے اس ساری صورت حال سے چھٹکارا حاصل کروں۔۔

میں آپ کو اس لیے لکھ رہی ہوں کیونکہ کسی نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ یہ آیت کسی عالم دین سے ڈسکس کرو، لیکن ہمارے یہاں اسکالرز لوگوں کو اپنے مسلک اور فرقوں میں شامل کرنا چاہتے ہیں، مطمئن کرنا نہیں۔ پلیز ہمیشہ کی طرح مجھے جواب دے دیجیے اللہ تعالیٰ اپ کو جزائے خیر دے۔ منزہ

جواب: محترمہ منزہ صاحبہ

قران مجید کی جو آیت آپ نے نقل کی ہے اور اسی طرح کی دیگر تمام آیات، جو حقیقت ہمیں سمجھاتی ہیں وہ یہ ہے کہ اگر ہم پر کوئی مصیبت آجائے یا ہم کسی نعمت کے خواہش مند ہوں تو دونوں صورتوں میں ہمیں اللہ تعالیٰ سے رجوع کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہی ہے جو ہر مصیبت سے بچانے والا ہے اور اگر مصیبت آجائے تو اس کے اذن کے بغیر کوئی اس مصیبت کو ہم سے دور نہیں کرسکتا۔ اسی طرح اگر وہ ہم پر کوئی مہربانی کرنا چاہے تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں اس عنایت سے محروم نہیں کرسکتی۔

قران مجید میں اس حقیقت کی یاددہانی مختلف پہلوؤں سے بار بار کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں شرک کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ تصور رہا ہے کہ اللہ کے سوا بھی کچھ اور لوگ ہیں جو ہمیں نعمتیں دے سکتے ہیں اور جو مصائب کی صورت میں کچھ اور لوگ ہیں جن کو راضی کر کے، جن سے دعا مانگ کر، جن کی عبادت کر کے، جن کے حضور نذرانے چڑھا کر ہم مصیبت کو ٹال سکتے ہیں۔ قران اسی بات کی تردید میں یہ بات واضح کرتا ہے کہ ہر نعمت اللہ کی عطا سے ملتی اور کوئی مصیبت اس کے اذن کے بغیر نہیں ٹل سکتی۔

اس آیت کا مطلب یہ نہیں کے مجھے یا آپ کو کوئی تکلیف پہنچے تو اس کی شکایت ہم اللہ تعالیٰ سے شروع کر دیں۔ دیکھیے زندگی کے اکثر مصائب ہمیں یا تو اپنی کوتاہیوں کی بنا پر پہنچتے ہیں یا پھر اپنے جیسے انسانوں کے ہاتھوں ملتے ہیں۔ آزمائش کی اس دنیا میں اللہ نے انسانوں کو بہر حال یہ اختیار تو دے رکھا ہے۔ مگر وہ چاہیں تو نقصان پہنچانے کی کسی کی کوشش کے باوجود بھی ہمیں بچا سکتے ہیں اور یقین کیجیے زندگی میں اکثر وہ یہی کرتے ہیں کہ ہمیں جانے انجانے مصائب سے بچاتے رہتے ہیں۔ پھر وہی ہیں جو ہر مصیبت سے ہمیں بچا بھی سکتے ہیں۔

باقی زندگی کے مصائب و پریشانیوں کا سامنا کرنا ایک فن ہے جسے ہمیں سیکھنا چاہیے۔ ان مصائب سے نمٹنے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اگر اپنی غلطی ہے تو اس کی اصلاح کیجیے۔ مثلاً اکثر بیماریاں ہم پر ہماری اپنی غلطیوں کی وجہ سے آتی ہیں۔ اگر کسی دوسرے سے تکلیف پہنچ رہی ہے تو گفتگو اور معاملہ فہمی سے یا کسی اور کو بیچ میں ڈال کر مسئلہ حل کریں۔ مصائب میں اللہ سے شکایت کرنے کے بجائے اس سے دعا کرنی چاہیے۔ وہ کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں دیتا نہ اس کی طرف سے کبھی کوئی شر آتا ہے۔ یہ زیادہ تر ہمارے یا ہمارے جیسے انسانوں کے اعمال، کمزوریوں اور خطاؤں کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر مسئلے میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی رہیں۔ وہی ہے جو ہمیں مشکلات سے نکال کر آسانی مہیا کرتا ہے۔

ابو یحییٰ

ابو یحییٰ

مضامین قران (3)

قرآن مجید کے مضامین کے ضمن میں ہم نے یہ دیکھا تھا کہ بنیادی طور پر تین ہی اصل مضامین ہیں جو قرآن مجید میں زیر بحث آئے ہیں۔ یہ تین بنیادی مضامین درج ذیل ہیں:

۱) دعوت دین اوراس کے ردو قبول کے نتائج

۲) دعوت کے دلائل

۳) مطالبات

اس کے بعد ہم نے ان تین مضامین کے تحت بیان ہونے والے ضمنی مضامین کا مختصر تعارف کرانا شروع کیا تھا۔ ہم نے دعوت کے دلائل سے گفتگو کا آغاز کیا تھا اور توحید کے پانچ اور رسالت کے ان سات دلائل کا جائزہ لیا تھا جو بالعموم قرآن مجید میں زیر بحث آئے ہیں۔ آج پہلے آخرت کے دلائل بیان کر کے دعوت کے دلائل کا تعارف مکمل کیا جائے گا۔ پھر دعوت دین اوراس کے ردو قبول کے نتائج اور مطالبات کے ضمن میں آنے والی ذیلی مضامین کا مختصر جائزہ پیش کیا جائے گا۔ جس کے بعد انشاء اللہ ایک ایک کر کے ان تمام مضامین کو لیا جائے گا اور قرآن مجید کے نظائر اور آیات کی مدد سے ہر مضمون کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کا سلسلہ شروع ہوگا۔ تاہم جیسا کہ بیان ہوا، آج قرآن کریم کے مضامین کا اجمالی خاکہ بیان کرنے کا عمل پورا ہو جائے گا۔

آخرت کے دلائل

رسالت کے سات دلائل کی طرح آخرت کے بھی سات دلائل قرآن کریم میں بیان ہوئے

ہیں۔ یہ درج ذیل ہیں۔

۱) فطرت کی دلیل

انسانی فطرت میں خیر وشر کا شعور، ضمیر انسانی کی سزا و جزا کا نظام شاہد ہے کہ انسان سزا و جزا کے تصور سے اچھی طرح واقف ہے اور سمجھتا ہے کہ ایک دن حتمی سزا جزا کا یوم قیامت آ کر رہے گا۔

۲) ربوبیت کی دلیل

یہ دلیل توحید کے ضمن میں بھی آئی ہے۔ یہاں جو استدلال ہے اس میں آخرت کے پہلو سے صرف یہ اضافہ ہے کہ جب ربوبیت کا اہتمام کیا گیا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ربوبیت کے آثار دیکھ کر بھی بندگی سے انکار کرنے والوں کو ان کے کیے کی سزا نہ دی جائے اور بندگی کرنے والوں کو ان کے اجر سے محروم رکھا جائے۔

۳) مقصدیت کی دلیل

تصور آخرت کو ہٹا دیا جائے تو پھر اس دنیا کو بسانے کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا۔ خاص اس حقیقت کے مشاہدے کے بعد کہ انتہائی بامعنی اور منظّم کائنات میں انسانی زندگی ہر جگہ ظلم و ناانصافی اور عدم تکمیل سے عبارت ہے۔ اگر یہ دنیا اور اس کی موت ہی انسانی زندگی کا خاتمہ ہے تو اس سے زیادہ بے مقصد اور بے معنی بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ اس بات سے پاک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دنیا دارالامتحان ہے اور آخرت دارالجزا۔ یہی اس دنیا کا مقصد ہے جو آخرت سے مل کر پایہ تکمیل تک پہنچتا ہے۔

۴) جوڑے کی دلیل

دنیا و آخرت کے جوڑے کے وجود کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس دنیا میں ہر بامعنی چیز جوڑوں میں بنائی گئی ہے۔ مرد عورت، دن رات، زمین آسمان سب جوڑے ہیں جو خالق کا

طریقہ تخلیق بتاتے ہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ دنیا کا جوڑا آخرت ہے۔

۵) ترتیب وتدریج

جوڑے بعض اوقات ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں جیسے مرد وعورت اور بعض اوقات ایک کے بعد ایک آتے ہیں۔ جیسے دن کے وقت رات نہیں ہوتی مگر ایک تدریجی عمل سے پہلے دن ختم ہوتا ہے اور پھر رات آتی ہے۔ یہی مثال دنیا اور آخرت کے جوڑے کی ہے۔ دنیا کے بعد آخرت اسی طرح بالیقین آئے گی جیسے دن کے بعد رات آتی اور شب کی سیاہی کے بعد صبح کی روشنی طلوع ہوتی ہے۔ کائنات میں اِس ترتیب ہی کی نہیں بلکہ اس تدریج کی بھی مثالیں ہیں جس سے گزر کر قیامت آئے گی۔ چاند کا درجہ بدرجہ ہلال سے بدر کامل بننا، شفق کا بتدریج اندھیرے میں ڈھلنا اس تدریج کی مثالیں ہیں۔ یہی یوم آخرت کی تدریجی آمد کا بدیہی نشان ہے۔

۶) قدرت کی دلیل

دلیل قدرت کے کئی پہلو ہیں۔

۱) انسان کی تخلیق اول سے ثانی پر استدلال: یہ اعتراض کا جواب بھی ہے اور اپنے اندر دلیل بھی۔ کفار کا اعتراض یہ تھا کہ مردہ ہڈیوں کو کیسے زندہ کیا جائے گا۔ جواب دیا گیا کہ وہی جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا۔ ظاہر ہے پہلی دفعہ پیدا کرنا زیادہ مشکل تھا۔ جب وہ ہوسکتا ہے تو دوبارہ بھی سب کو پیدا کیا جاسکتا ہے۔

۲) زمین وآسمان کی پیدائش: زمین وآسمان کی تخلیق خدا کی اس خلاقیت کا اظہار ہے جس کی کوئی حد وحساب نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ زمین وآسمان جیسی بڑی چیزیں پیدا کرسکتے ہیں تو وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے سے کیوں عاجز رہ سکتے ہیں۔

۳) چیزوں کے عدم وظہور اور مجازی موت کے بعد دوبارہ زندگی سے استدلال: کائنات

میں ان گنت نشانیاں ہیں جو بتاتی ہے کہ یہاں اشیا بظاہر فنا کا لبادہ اوڑھ کر نظر سے اوجھل ہوتی ہیں، مگر دیکھتے دیکھتے ہی وہ دوبارہ زندگی کے قالب میں ڈھل جاتی ہیں۔ مثلاً بارش کے بعد مردہ زمین کا جی اٹھنا اور سبزے کو اگا دینا۔ سورج کا ڈوبنا اور دوبارہ نکلنا۔ انسان کا سونا اور دوبارہ جاگنا اس کے علاوہ بعض تاریخی واقعات جو انسانوں سے متعلق ہیں جیسے اصحاب کہف کا دوبارہ جی اٹھنا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کاملہ کے گواہ ہیں کہ وہ جب چاہے مردوں کو زندہ کر دے۔

۴) نگرانی وعلم: حیات بعد ممات میں حساب کتاب کے لیے جس ریکارڈ کی ضرورت ہوگی اللہ کی قدرت اس کا مستقل اہتمام کر رہی ہے۔ فرشتوں کا ریکارڈ اور ان کی نگرانی کا عمل، کراما کاتبین کی گواہی، نیز وجود انسانی کا مکمل ریکارڈ رکھنے کی قدرت کی بنا پر اللہ اس بات پر مکمل طور پر قادر ہیں کہ مردوں کو زندہ کر کے ان کا مکمل اور جامع احتساب کریں۔

۷) رسولوں کی امت کی سزا جزا

قیامت کی سب سے بڑی دلیل رسولوں کی امتوں کی وہ سزا جزا ہے جو اسی دنیا میں برپا ہوتی ہے۔ یہ سزا جزا حضرت نوح سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر اس قوم کے لیے برپا ہوئی جس میں اللہ کے رسول آئے۔ قرآن میں سابقہ امم کی دینونت یا سزا جزا کے واقعات سنا کر کفار مکہ کو تنبیہ کی گئی کہ ان کے ساتھ بھی یہ ہو کر رہے گا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ واقعہ پیش گوئیوں کے عین مطابق ہو گیا۔ اس کا مطلب ہے کہ ٹھیک اسی طرح اب قیامت کے دن وہ سزا جزا برپا ہوگی جس کی پیش گوئی قرآن میں کی گئی ہے۔

دعوت اور اس کے رد و قبول کے نتائج

دعوت کے دلائل کے بعد دوسرا بنیادی مضمون جو قرآن کریم میں زیر بحث آتا ہے وہ دعوت دین اور اس کے رد و قبول کے نتائج ہیں۔ اصولاً تو یہی قرآن کا بنیادی موضوع ہے اور یہی سب

سے زیادہ تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔اسی لیے ہم نے اسے ترتیب میں سب سے پہلے رکھا تھا، تاہم بعض دلائل سے بالعموم لوگ واقف نہیں اور نہ اس پر بہت زیادہ کام ہوا ہے، اسی لیے ہم نے ان کو پہلے بیان کر دیا تھا۔ یہ موضوع تین ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے:

۱)دین کی بنیادی دعوت

۲)دعوت کا ابلاغ

۳)دعوت کو ماننے اور رد کرنے کے نتائج

ہم ایک ایک کر کے اب ان پر مختصر گفتگو کریں گے اور ان کے ذیلی مضامین بیان کریں گے۔ان پر تفصیل بحث انشاءاللہ اپنے وقت پر کی جائے گی۔

۱)دین کی بنیادی دعوت

دین کی بنیادی دعوت ایک اللہ پر ایمان ہے۔ یہی قرآن مجید کا سب سے اہم اور بنیادی مضمون ہے جس کے ذیلی مضامین درج ذیل ہیں۔

الف)ذات:

اس ذیل کا پہلا مضمون ذات باری تعالیٰ کا وجود، اس کا درست تصور، اس کی بندگی کی دعوت اس کی وحدانیت پر ایمان ہے۔

ب)صفات:

ذات باری تعالیٰ کے ساتھ ہر جگہ زیر بحث آنے والی چیز صفات باری تعالیٰ ہیں۔ یہی وہ اصل مقام ہے جہاں ذات حق مخلوقات سے متعلق ہوتی ہے۔ یہ صفات تین اقسام کی ہیں:

الف)صفات جلال

ب)صفات جمال

ج) صفات کمال

ج) سنن:

سنن میں قرآن مجید یہ بیان کرتا ہے کہ فرد اور اقوام کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کس طرح معاملہ کرتی ہے۔ یہ معاملہ الل ٹپ نہیں ہوتا بلکہ ایک متعین قانون کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ ان کو سنن الٰہی کہتے ہیں۔ ان کو اگر سمجھ لیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ زندگی میں ہم کیا کریں گے تو جواب میں اللہ تعالیٰ کیا کریں گے۔ یہ بات اگر سمجھ آجائے بلاشبہ انسان فرد و اجتماع دونوں شکلوں میں ترقی و کامرانی کی شاہراہ پر گامزن ہو سکتا ہے۔

۲) دعوت کا ابلاغ

یہ اس ضمن کا دوسرا اہم موضوع ہے۔ اس میں یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں سے مکالمہ و مخاطبت کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس ضمن میں جو مضامین زیر بحث آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱) منصب نبوت و رسالت:

اس میں یہ واضح کیا جاتا ہے کہ کسی انسان کی یہ حیثیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دعوت دینے کے لیے خود شرف مخاطبت عطا کریں۔ اس مقصد کے لیے انسانوں ہی میں سے کچھ اعلیٰ ترین شخصیات کو اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت کی بنیاد پر چن لیتے ہیں اور انہیں یہ فریضہ سونپتے ہیں کہ وہ انسانوں پر اللہ تعالیٰ کا پیغام اس طرح واضح کر دیں کہ قیامت کے دن انسان یہ عذر نہ پیش کر سکیں کہ ان تک ہدایت نہیں پہنچ سکی۔ چنانچہ سابقہ انبیا کے واقعات اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مخاطبین سے ہونے والا مکالمہ بہت تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں زیر بحث آیا ہے۔

۲)فرشتے:

ان انبیا پر عام طور پر فرشتوں کے ذریعے سے وحی کی جاتی ہے اور یہ فرشتے ہر طرح کی شیطانی آلائش سے پاک رکھتے ہوئے اس پیغام کو اللہ کے پیغمبروں تک پہنچاتے ہیں۔ یہ فرشتے وہ کارکنان قضا وقدر بھی ہیں جو کائنات کا سارا تکوینی نظام اذن الٰہی سے چلا رہے ہیں۔ نیز مشرکین ان فرشتوں کو خدائی میں شریک سمجھتے تھے۔اس بات کی تردید اور فرشتوں کا اصل کام، ان کے مکالمات اور کردار وغیرہ تفصیل سے قرآن مجید میں زیر بحث آئے ہیں۔

۳) کلام الٰہی اور کتابیں:

یہ کلام الٰہی صحیفوں اور کتابوں کی شکل میں باقی انسانوں کی ہدایت کے لیے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔تا کہ آنے والی نسلیں ان سے استفادہ کرسکیں۔ختم نبوت کے بعد یہ کلام الٰہی قرآن مجید کی شکل میں تا قیامت انسانوں کے لیے محفوظ اور ہر طرح کی تحریف سے پاک کر دیا گیا ہے۔قرآن مجید میں جا بجا تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحائف کے حوالے اور تفصیلات زیر بحث آتی ہیں۔

۳)دعوت کو ماننے اور رد کرنے کے نتائج

یہ اس سزا و جزا کا بیان ہے جو انبیا کی دعوت کو رد کرنے یا ماننے کی شکل میں روز قیامت ملے گی۔رسولوں کے ضمن میں اس کا ایک نمونہ اسی دنیا میں قائم کر دیا گیا ہے۔ان اقوام کے قصے اسی پہلو سے قرآن مجید میں بیان ہوئے ہیں۔جبکہ اپنی کامل شکل میں یہ سزا جزا کل انسانیت کے لیے روز قیامت برپا ہوگی۔اس سے ذیلی مضامین درج ذیل ہیں جن میں سے ہر ایک پر بہت تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں گفتگو کی گئی ہے۔

۱)موت اور برزخ

۲)احوال قیامت

۳)سزا جزا کے مقامات یعنی حشر، جنت، جہنم

۴)مطالبات

یہ آخری موضوع ہے۔اورایک فرد کی نسبت سے یہی اہم ترین ہے۔کیونکہ اس میں اسے بتایا جاتا ہے کہ اس سے کیا مطلوب ہے۔اس کے ذیلی مضامین درج ذیل ہیں

۱) اخلاقی مطالبات

ان کی تین اقسام ہیں

الف)اللہ تعالیٰ کے حوالے سے عائدکردہ مطالبات

ب)سماج اوراس کے مختلف طبقات کے حوالے سے عائدکردہ ذمہ داریاں

ج)نوع انسانی کے دو بنیادی اجزا یعنی مرد وزن کے لحاظ سے عائد مطالبات

۲) شرعی یا قانونی مطالبات

یہ وہ مطالبات ہیں جن میں باقاعدہ قانون سازی کر کے وقت، دن،تعداداور دیگر ضابطے متعین کردیے گئے ہیں۔اس کی دو ذیلی قسمیں ہیں۔

۱)فرد پر عائد شرعی ذمہ داریاں

۲)سماج اورریاست پر عائد قانونی ذمہ داریاں

۳) شخصی رویے

اس میں ان رویوں کا بیان ہے جن کو شریعت نے موضوع بنایا ہے نہ وہ اخلاقیات کے ذیل میں آتے ہیں۔مگر وہ انسانی نفسیات کی تشکیل میں اس طرح حصہ لیتے ہیں کہ ان کی سمت درست نہ کی جائے تو وہ ہر طرح کا اخلاقی اور قانونی فساد برپا کرنے کا سبب بن جاتے ہیں۔یہ رویے براہ راست نہیں بالواسطہ طور پر قرآن مجید میں زیر بحث آئے ہیں۔

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (6)

رومن تھیٹر

کوہ طور کے علاقے سے گزر کر ہم اب حمامات فرعون کے علاقے میں داخل ہو رہے تھے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں فرعون کے غرق ہونے کی بعد اس کی لاش تیرتی ہوئی ملی تھی۔ یہاں چٹانیں اسٹیڈیم کی سیڑھیوں کی شکل میں موجود تھیں جو مل کر ایک رومن تھیٹر کی صورت بنا رہی تھیں۔ میری نگاہوں کے سامنے رومی دور کے کھیلوں کے مقابلے گردش کرنے لگے جب ظلم و ستم کے شکار غلاموں کو بھوکے شیروں سے لڑایا جاتا تھا۔ اگر خوش قسمتی سے غلام شیر کو ہلاک کر دیتا، جو کہ شاید ہی کبھی ہوا ہو، تو اسے آزادی نصیب ہو جاتی ورنہ وہ شیر کے ہاتھوں ہلاک ہو کر آزادی پا لیتا۔

یہ وہی دور تھا جب اللہ کے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں کو آزاد کر کے انہیں معاشرے میں باعزت مقام دینے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ جدید دور کے امریکہ میں غلامی کے خاتمے کے ڈیڑھ سو سال بعد سیاہ فام اس قابل ہو سکے ہیں کہ ان کی نسل سے تعلق رکھنے والا ایک شخص امریکہ کے صدر کے عہدے پر فائز ہوتا ہے۔ اس کے برعکس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلامی کو اس طریقے سے ذہنوں سے کھرچ دیا کہ آپ کے دوسرے خلیفہ راشد سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے بعد ایک سابق غلام سالم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے۔ غلامی کے خاتمے کے لئے اسلام کے اقدامات کی تفصیل آپ میری کتاب "اسلام میں جسمانی و ذہنی غلامی کے انسداد کی تاریخ" میں دیکھ سکتے ہیں۔

دریائے نیل کا ڈیلٹا

سینا سے گزر کر ہم خلیج سویز کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔ نیچے سویز شہر تھا جس سے نہر سویز

نکل رہی تھی۔ یہی نہر آگے چل کر ایک بڑی جھیل میں مل رہی تھی جس سے نہر دوبارہ نکل کر بحیرہ روم کی طرف جا رہی تھی۔ تھوڑی دور جا کر صحرا ختم ہونے لگا۔ اب گولڈن صحرا سبز کھیتوں کے ساتھ مل رہا تھا۔ کچھ ایسا ہی منظر میں نے سندھ کے اوپر پرواز کرتے ہوئے دیکھا تھا جہاں دریائے سندھ کی وادی تھر پارکر کے صحرا سے ملتی ہے۔ یہاں دریائے سندھ کی بجائے دریائے نیل تھا۔ کچھ جیالوں نے صحرا کے اندر تک پانی پہنچا کر کھیتی باڑی کی ہوئی تھی۔

کھڑکی سے نیچے بالکل وہی منظر تھا جو پنجاب کے اوپر پرواز کرتے ہوئے نظر آتا ہے۔ چوکور کھیت اور ان کے درمیان پھیلے ہوئے دیہات۔ پنجاب میں تو ایک وقت میں چھ سات گاؤں نظر آتے ہیں مگر یہاں بیک وقت دس بارہ گاؤں نگاہوں کے سامنے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصر کی آبادی کا بڑا حصہ دریائے نیل کے ڈیلٹا میں رہتا ہے اور باقی حصہ بہت بڑے صحرا پر مشتمل ہے۔

اچانک ہمارے سامنے دریائے نیل کی مشرقی شاخ آ گئی۔ ڈیلٹا میں پہنچ کر دریائے نیل کئی شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جن کے درمیان کی زمین پر کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ سامنے بحیرہ روم تھا جس میں دریائے نیل شامل ہو رہا تھا۔ ہم اب اسکندریہ اور پورٹ سعید کے درمیان سے گزر کر بحیرہ روم کے اوپر پرواز کر رہے تھے۔

غزہ کی پٹی

بحیرہ روم کا ساحل نصف دائرے کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ یہاں مصر کی حدود ختم ہو کر فلسطین کی حدود شروع ہو رہی تھیں۔ جدید فلسطینی ریاست دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک حصہ دریائے اردن کا مغربی کنارہ ہے اور دوسرا حصہ غزہ کی پٹی ہے جو بحیرہ روم کے کنارے واقع ہے۔ ان دونوں حصوں کے درمیان اسرائیل کا علاقہ ہے۔ یہاں پچھلے سال اسرائیلی افواج نے فلسطینی گوریلوں کے خلاف کاروائی کے دوران بہت سی خواتین، بوڑھوں اور بچوں کو ہلاک کر دیا تھا۔

ان کے اس ظلم پر پوری مسلم دنیا سوائے احتجاج اور قنوت نازلہ پڑھنے کے اور کچھ نہ کر سکی تھی جس کا کچھ نتیجہ برآمد نہ ہوا تھا۔

میرے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارا احتجاج اور دعائیں بے اثر کیوں ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہم مظلوم ہیں۔ اگر ایسا ہے تو دنیا میں ہماری شنوائی کیوں نہیں ہے۔ اس دنیا کو چھوڑیے، اللہ تعالی کے حضور امت مسلمہ کے لئے ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی۔

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالی نے دعا سے پہلے تدبیر کا حکم دیا ہے۔ پانی ہمیشہ بلندی سے پستی کی طرف بہتا ہے۔ اگر کوئی کسان پانی کے چشمے سے اوپر کی جانب کھیت بنا لے اور مصلے بچھا کر بیٹھ کر دعا کرنے لگے کہ میرا کھیت ہرا بھرا ہو تو اس کا کھیت کبھی ہرا بھرا نہ ہو گا۔ وہ پوری دنیا کے سامنے احتجاج کرنے لگے کہ دیکھو میرے ساتھ ظلم ہو رہا ہے۔ دوسرے میرے حصے کا پانی لے کر جا رہے ہیں، مجھے کچھ نہیں مل رہا مگر اس کی بات کوئی نہ سنے گا۔

ہم نے بھی معاملہ کسان جیسا ہی کیا۔ پہلے ایک ہزار برس تک لمبی تان کر غفلت کی نیند سوتے رہے۔ غفلت اور عیش پرستی کے باعث اخلاقی اعتبار سے ہمارے معاشرے انحطاط کا شکار ہوتے چلے گئے۔ علم کے میدان میں ہماری دلچسپی کا اصل مرکز الہیاتی فلسفہ بن گیا اور سائنس و ٹیکنالوجی کو ہم نے کبھی اہمیت نہ دی۔ اقتصادیات کے میدان میں بھی ہمارے ہاں جمود رہا۔ دوسری طرف اخلاقی انحطاط کے باعث ہمارے وجود کا ایک حصہ دوسرے کو کھانے لگا۔

اس عرصے کے دوران اہل مغرب نے علم، اقتصادیات اور اخلاقیات کے میدان میں اپنے جھنڈے گاڑنا شروع کیے اور صورت حال یہاں تک پہنچی کہ ہمارا اور ان کا فرق بڑھتا چلا گیا۔ انہوں نے پہلے ریل، کار اور جہاز کے ذریعے دنیا کے فاصلے ختم کر دیے۔ اس کے بعد ابلاغ کی دنیا میں انقلاب برپا کر کے دنیا میں اپنے افکار پھیلانا شروع کیے۔ سائنسی ترقی کا لازمی نتیجہ

اقتصادی ترقی نکلا۔ ان کے ہاں بہت سے انقلابات کے نتیجے میں اخلاقی شعور پیدا ہوا اور دوسروں کے لئے نہ سہی مگر کم از کم اپنی قوم کی حد تک یہ لوگ اچھے انسان بن گئے۔

اس عرصے میں جو کچھ ہوا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قد و قامت میں اہل مغرب کے سامنے ہم بونوں کی طرح چھوٹے رہ گئے۔ یہ لوگ اگرچہ اپنی اقوام کے لئے اچھے تھے مگر دوسری اقوام کے لئے ان کا اخلاقی معیار بہت ہی پست تھا۔ چنانچہ یہ ہم پر چڑھ دوڑے اور نوآبادیاتی نظام کی شکل میں انہوں نے ایشیا، افریقہ، امریکہ اور آسٹریلیا کے وسائل کی لوٹ کھسوٹ شروع کر دی۔ اس معاملے نے اقتصادی اعتبار سے ہمیں بہت ہی پستی میں دھکیل دیا۔ معاش اور اخلاق کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق غربت کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ہم اخلاقی اعتبار سے پست سے پست ہوتے چلے گئے۔

عیسائی دنیا کو چھوڑ کر اگر مسلمانوں اور یہودیوں کا تقابلی مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس چھوٹی سی قوم سے بھی بہت پیچھے ہیں۔ دنیا میں ڈیڑھ ارب کے قریب مسلمان ہیں جبکہ یہود کی تعداد ڈیڑھ کروڑ کے قریب ہے۔ گویا دنیا میں ہر یہودی کے مقابلے میں 100 مسلمان موجود ہیں۔ یہ یہودی کوئی مذہبی گروہ نہیں ہے بلکہ ایک قومی اور نسلی گروہ ہے۔ یہ ڈیڑھ کروڑ یہودی سوا ارب مسلمانوں کے مقابلے میں انتہائی طاقتور ہیں۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ جدید دور کی تشکیل نو کے پیچھے یہود کے اعلیٰ ترین دماغوں کا کردار ہے۔ فزکس کے میدان میں آئن اسٹائن، نفسیات کے میدان میں سگمنڈ فرائیڈ، معاشیات کے میدان میں پال سیموئیل سن اور ملٹن فرائیڈ مین جیسے ماہرین ان کے ہاں پائے جاتے ہیں اور اس درجے کا ایک بھی عالم ہمارے ہاں نہیں ہے۔ میڈیکل کی دنیا کی بڑی بڑی ایجادات یہود ہی نے کی ہیں۔ پچھلے سو برس کے عرصے میں یہودی اہل علم نے 180 نوبل پرائز

جیتے ہیں جبکہ مسلمانوں میں ان کی تعداد صرف 3 ہے۔ یہ حضرات بھی مسلم دنیا میں عتاب کا شکار ہی رہے۔ دنیا کی دس بڑی کمپنیوں اور برانڈز کے اکثریتی مالک یہودی ہیں۔ امریکہ، یورپ اور آسٹریلیا میں بااثر سیاستدان یہودی ہیں۔ دنیا کے میڈیا پر یہودی چھائے ہوئے ہیں۔ دنیا کے بڑے خیراتی ادارے تک یہودی چلا رہے ہیں۔ یہ تو ان کے اہل علم کا حال ہے، ان کے عام لوگوں میں تعلیم کا تناسب 100 فیصد ہے جبکہ مسلمانوں میں یہ محض 40 فیصد ہے۔ اس تعلیم کا معیار بھی نہایت ہی پست ہے۔ یہودی اپنے مذہب کو پھیلانا پسند نہیں کرتے ورنہ شاید دنیا کا سب سے بڑا تبلیغی نیٹ ورک بھی انہی کا ہوتا۔

ان اعداد وشمار کا مقصد مایوسی پھیلانا نہیں ہے بلکہ صورتحال کا حقیقی تجزیہ کرنا ہے۔ ہمارے اہل دانش کو اپنی کمزوری کا احساس بہت پہلے ہو چکا تھا۔ انہوں نے اس صورتحال کا درست تجزیہ نہیں کیا اور مسئلے کا حل یہ تجویز کیا کہ ہم جنگ کے ذریعے ان پر غلبہ حاصل کر سکتے ہیں کیونکہ ہم اللہ تعالی کی چہیتی قوم ہیں، ہم پر ظلم ہوا ہے اس وجہ سے اللہ تعالی کی مدد ہمارے شامل حال ہوگی۔ بس پھر کیا تھا، مسلمان پوری دنیا میں اہل مغرب کے خلاف صف آرا ہو گئے۔

یہ حل بالکل ایسا ہی تھا کہ کسی یتیم بچے کے گھر کوئی بدمعاش گروہ آ گھسے اور اس پر قبضہ کر کے بیٹھ جائے۔ اس بچے کے نام نہاد خیر خواہ اس کی پیٹھ ٹھونک کر اس کے ہاتھ میں ایک چاقو دیں اور اس بدمعاش گروہ کے مقابلے پر اس بچے کو آمادہ کر دیں۔ ہمارے ساتھ یہی ہوا۔ ہمارے لیڈروں نے ہماری پیٹھ ٹھونک کر ہمیں اس مقابلے پر مجبور کر دیا۔

یقیناً اللہ تعالی کا پسندیدہ دین اسلام ہے جس سے اپنے اخلاقی انحطاط کے باعث ہم کوسوں دور جا چکے تھے۔ سائنس اور اقتصادیات کے میدانوں میں ہم بہت پیچھے تھے۔ دوسرے تو کیا، ہم اپنی قوم کے لئے مخلص نہ تھے۔ چنانچہ ہم نے دشمن کی توپوں میں کیڑے پڑنے کی دعا کے ساتھ

اس میدان میں ان کا مقابلہ شروع کیا جس میں مقابلے کے ہم اہل نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد تو کیا آتی، ہمیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ اس مقابلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ دشمن کو تو ہم شاید ہی کوئی بڑا نقصان پہنچا سکتے، ہمارے اپنے معاشرے تباہی کا شکار ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ آج امریکہ اور اسرائیل اپنی جگہ موجود ہیں اور ترقی کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس صومالیہ، فلسطین، عراق، افغانستان اور پاکستان کی حالت پوری دنیا کے سامنے ہے۔

اگر ہمیں مقابلہ کرنا ہی ہے تو اس کے لئے میدان کچھ اور ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں چین سے سبق سیکھنا چاہیے۔ انہوں نے دنیا کے ہر جھگڑے سے خود کو علیحدہ رکھ کر اپنی پوری توجہ علمی اور اخلاقی اعتبار سے خود کو بہتر بنانے پر دی ہوئی ہے۔ اسی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے جاپان، کوریا، سنگاپور اور ملائشیا جیسے ممالک ترقی یافتہ کی صف میں شامل ہو چکے ہیں۔

ہمیں چاہیے کہ ہم علم کے میدان میں اہل مغرب کا مقابلہ کریں۔ اگر ان کے ہاں دس اہل علم پیدا ہوتے ہیں تو ہم بیس اہل علم پیدا کر کے دکھائیں۔ اگر وہ اپنے ہاں غربت کا خاتمہ دس سال میں کر سکتے ہیں تو ہم پانچ سال میں ایسا کر کے دکھائیں۔ اگر وہ سو ایجادات کرتے ہیں تو ہم دو سو ایسی ایجادات کر کے اپنی علمی برتری ثابت کریں۔ اگر انہوں نے کرپشن سے پاک معاشرہ پچاس سال میں پیدا کیا ہے تو ہم ایسا پچیس سال میں کر کے دکھائیں۔ اگر وہ ماحولیاتی آلودگی کے خاتمے کے لئے ایک ارب خرچ کرتے ہیں تو ہم دو ارب اس کام میں خرچ کریں۔ اگر یہود اپنے دین کی دعوت دوسروں کو نہیں پہنچاتے تو ہم اللہ کے پیغام کو اس کی حقیقی شکل میں دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جس دن ہم نے ایسا کر لیا، اس دن دنیا میں بھی ہماری بات سنی جائے گی اور اللہ تعالیٰ بھی ہماری دعا کو قبول کرے گا۔

الحمد للہ مسلم دنیا میں اس بات کا احساس پیدا ہو چکا ہے۔ بہت سے لوگ ہمارے ہاں اب

تخریب کو چھوڑ کر تعمیر کی طرف آ چکے ہیں۔ ہمارے ہاں بھی غربت کے خاتمے، علم کے فروغ، اور اخلاقی تربیت کا کام شروع ہو چکا ہے۔ اب ضرورت اس کو آگے بڑھانے کی ہے۔ تخریب کے راستے پر دو سو سال کی ناکامیوں کے بعد ہم نے یہ سیکھ لیا ہے کہ اس راستے پر چل کر ہم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ہاں ان لوگوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ دہشت گردی واقعتاً ایک برائی ہی ہے اور اس برائی سے نیکی کا کوئی مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ ہم نے الحمدللہ تعمیر کا راستہ اختیار لیا ہے اور اب انشاء اللہ تعمیر کے راستے پر چل کر محض تیس چالیس برس میں ہم نتائج دیکھ لیں گے۔

فطرت کا نیلا کینوس

غزہ کی پٹی کے بعد ہم ساحل سے دور ہوتے چلے گئے۔ اب ہمارے نیچے صرف سمندر تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا دور تک ایک نیلے رنگ کی چادر پھیلی ہوئی ہے۔ فضا میں جا بجا سفید بادلوں کے ٹکڑے اس طرح سے پھیلے ہوئے تھے جیسے ایک وسیع نیلے کینوس پر روئی کے گالے چپکا دیے گئے ہوں۔ میرے کانوں میں قرآن مجید کی یہ آیت گونجنے لگی: وہی (خالق) تو ہے جس نے اس زمین میں جو کچھ ہے، وہ تمہارے لئے بنایا۔"

یہ مٹی، یہ سمندر، یہ بادل، یہ فضا، یہ پانی، یہ ہوا، یہ جانور سب کا سب اللہ تعالی نے ہمارے لئے ہی بنایا ہے۔ ہم ان کروڑوں نعمتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے خالق کی ناشکری ان چند چیزوں پر کر جاتے ہیں جو اس نے کسی مصلحت کے تحت ہمیں عارضی طور پر عطا نہ کی ہوں۔

میں سوچنے لگا کہ یہ سیارہ زمین، جسے اللہ تعالی نے ہمارے لئے بنایا ہے، ہماری ماں کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالی ماں کی چھاتیوں کے ذریعے ہمیں ابتدائی خوراک فراہم کرتا ہے بالکل اسی طرح وہ آکسیجن، پانی، نباتات اور حیوانات کی نعمتوں کو اسی زمین کے ذریعے ہمیں فراہم کرتا ہے۔ ہمارے ہاں بعض جذباتی اور تنگ نظر لوگ اس زمین کے کسی

مخصوص خطے کو اپنی دھرتی ماں قرار دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ پورا کرہ ارض ہماری دھرتی ماں ہے۔ جس طرح انسان اپنی ماں کی خدمت، محبت کے ساتھ کرتا ہے بالکل اسی طرح یہ دھرتی ماں ہم سے اس خدمت کی طلب گار رہے کہ اس کی ہوا، پانی اور مٹی کو آلودہ نہ کیا جائے۔ ہم میں سے ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم ممکنہ حد تک اسے پاک صاف رکھیں۔ یہی ہمارے خدا اور اس کے دین کا تقاضا ہے۔

''بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت کر چھوڑی ہے اور ان کے لیے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں نہ ان کا کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔ جس میں ان کے چہرے آگ میں الٹے پلٹے جائیں گے۔ وہ کہیں گے: کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی! اور کہیں گے: اے ہمارے رب! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی بات مانی تو انھوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا۔: اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بہت بھاری لعنت کر!''، (احزاب 33:64-68)

''تمہارے (مسلمانوں کے) خون، اموال اورعزتیں ایک دوسرے پر حرام ہیں، اس دن (عرفہ)، اس شہر (ذوالحجہ) اور اس شہر (مکہ) کی حرمت کی مانند۔ کیا میں نے تم تک بات پہنچادی؟ صحابہ نے (بیک آواز) عرض کیا: جی ہاں۔''

اسی موقع پر آپ نے مزید ارشاد فرمایا:

''دیکھو! میرے بعد دوبارہ کافر نہ بن جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔''

مزید ارشاد فرمایا:

''مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے۔''

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرا مسلمان محفوظ رہے۔''

''جس نے ہم (مسلمانوں) پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں۔''

''تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے۔ اسے کیا معلوم کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے اسے (ہتھیار کو) گرادے (یا چلادے) تو (مسلمانوں کو قتل کرنے کی وجہ سے) وہ جہنم کے ایک گڑھے میں جا گرے۔''

''جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے لڑ پڑیں تو وہ دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! ایک تو قاتل ہے (اس لیے جہنم میں جائے گا) لیکن مقتول کا کیا قصور؟ فرمایا: اس لیے کہ اس نے اپنے (مسلمان) ساتھی کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔''

''تم میں سے کوئی آدمی جب اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک اس کا مستحق بن جاتا ہے۔ یا تو وہی (سننے والا) کافر ہوتا ہے جیسا کہ کہنے والا اسے کہتا ہے یا پھر (سننے والا) نہیں ہے تو پھر یہ کہنے والے پر پلٹ آئے گا۔''